تلخیص وترجمہ

مصر کا عربی اسلامی لٹریچر

اسلامی فتوحات سے فاطمیوں کے زمانہ تک

مصر سے گذشتہ سال پروفیسر محمد کامل حسین کے قلم سے ایک کتاب عربی زبان میں شائع ہوئی ہے جس کا نام "الادب المصری الاسلامی من الفتح الاسلامی الی دخول الفاطمین" ہے اس کتاب میں مصنف نے شاید تاریخ میں پہلی مرتبہ مصر کے اس درمیانی عہد کے عربی واسلامی لٹریچر کی تاریخ اور اس کے تدریجی ارتقار کو ایک مرتب ومنظم شکل میں بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مصر کی ادبی تاریخ کا یہ گوشہ اب تک زاویۂ خفا میں پڑا ہوا تھا۔ اس بنا پر مصر کے اربابِ نظر نے اس کتاب کی بڑی قدر کی۔ چنانچہ المقتطف نے بھی اس کی تلخیص شائع کی ہے۔ ہم قارئین برہان کے لئے اس کا تلخیص وترجمہ اردو میں کرتے ہیں۔

جب اسلام مصر میں داخل ہوا تو یہاں یونانی اور سریانی ادبیات کا چرچا تھا۔ اور قبطی زبان نے گرجاؤں میں یونانی زبان کی جگہ لے رکھی تھی جس میں عہد جدید کا ترجمہ ہو چکا تھا اور مطارقہ کے حالات اور عام تاریخی کتابیں بھی قبطی زبان میں ہی لکھی جاتی تھیں۔ لیکن یہ دور کچھ زیادہ طویل نہیں ہو سکا اس کے علاوہ ایک یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ قبطی ادب قوموں کے عام ادبیات میں کچھ ایسا زیادہ لائق ذکر بھی نہیں ہے۔

پھر جب عرب مسلمان مصر میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے تو طبعی بات تھی کہ ان کی زبان (عربی) کو یہاں فروغ حاصل ہو۔ چنانچہ یہاں عربی زبان کا بڑا چرچا ہوا اور مصری لوگ عربی زبان میں کمال پیدا کرنے کو اپنے لئے سب سے بڑا سرمایہ نازش و افتخار سمجھتے تھے اور اسی زبان میں تصنیف و تالیف کرتے تھے۔ چنانچہ اسکندریہ کے گرجا کے صدر اعظم ابن البطریق نے اپنی کتاب "نظم الجواہر" اور ابن المقفع نے "سیر الآباء البطارکہ" اسی زبان عربی میں تصنیف کیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہ عبداللہ بن المقفع نہیں ہے جو کلیلہ و دمنہ کا مشہور مصنف ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ امور کیا ہیں جو مصر میں عربی زبان کے سرعت و وسعت انتشار کا سبب بنے؟ ہمارے خیال میں اس کا باعث چند امور ہیں ایک قبطیوں کا اسلام قبول کرنا، اور اس بنا پر ان کا قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرنا۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ امر مصر میں عربی زبان کے رواج اور وسعت کا سب سے بڑا سبب اور قوی محرک ہے۔ چنانچہ ایران اور روم میں اور دوسرے مفتوحہ ممالک میں بھی عربی زبان کی ترویج کا یہی سبب تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب مسلمانوں نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کر کے قبطیوں کے ساتھ معاشرتی تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ اس بنا پر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قبطی زبان ناپید ہوگئی اور عربی زبان کو فروغ ہوگیا۔

ان دو اسباب کی بنا پر اسلامی فتوحات کے آغاز میں قبطی لوگ عربی زبان سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ پادری "شنودہ" تک اس بات پر مجبور ہوا کہ وہ قبطیوں کے مطالعہ کے لئے اپنی تصنیفات کو دوبارہ عربی زبان میں لکھے، انتہا یہ ہے کہ گرجا کے مراسم تک قبطی زبان میں ادا ہوتے تھے لیکن ان کی تشریح عربی زبان میں کی جاتی تھی۔

مصر میں عربی زبان کے حیرت انگیز پھیلاؤ نے قبطی زبان کو تقریباً فنا کر دیا تھا۔ لیکن نویں اور دسویں صدی عیسوی میں قبطیوں میں پھر ایک مرتبہ قبطی زبان کو دوبارہ زندہ کرنے کی تحریک

پیدا ہوئی۔ اگرچہ یہ تحریک شہروں میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ مصر کے اطراف و جوانب میں جو گاؤں آباد تھے ان میں بعض بعض دیہات ایسے بھی تھے جہاں کے باشندے روزمرہ کی بات چیت میں قبطی زبان بولتے تھے۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں انہیں دیہاتوں میں سے درنکہ نامی ایک دیہات کا ذکر کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ عربی میں قبطی زبان کے الفاظ داخل ہو گئے۔ تاہم یہ الفاظ ان فارسی الفاظ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں جو عربوں اور ایرانیوں کے اختلاط و ارتباط کی وجہ سے عربی زبان میں رائج ہو گئے ہیں۔ عربی زبان پر فارسی کے اثر کا تو یہ عالم ہے کہ بعض شعراء جاہلیت جو ایرانی شہروں میں آمدورفت رکھتے تھے ان کے کلام میں فارسی معرّب الفاظ کافی مقدار میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اعشیٰ کہتا ہے۔

وشاهِدُنا الجُلُّ والياسمين والمسمعات بأقصابها

دیکھئے اجل فارسی کا لفظ گل ہے۔ اور یاسمین تو بعینہ فارسی کا لفظ ہے ہی۔

ایک طرف عربی زبان مصر کی ملکی زبان سے نبرد آزما تھی اور دوسری طرف مذہب اسلام تدریجی طور پر دلوں کو اپنی طرف مائل و راغب کر رہا تھا، پھر عرب فاتحین اور عام مسلمان جوق در جوق مصر میں آ کر آباد ہو رہے تھے۔ ان سب لوگوں کے پیش نظر دین کی تعلیمات اور اس کے قواعد و مبادی کی نشر و اشاعت تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان تمام دینی تعلیمات کا سرچشمہ قرآن مجید تھا۔ اس بنا پر مصر میں قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا جب رواج عام ہو گیا تو ضروری تھا کہ اس نسبت اور تعلق سے عربی زبان کی بھی ترویج و اشاعت ہو۔ سب سے پہلا شخص جس نے مصر میں قرآن پڑھایا ابو امیۃ عبید بن مخمر المعافری ہے۔ اور عثمان بن سعید المصری سب سے پہلا شخص ہے جس نے حضرت نافع کی قرأت کو مصر میں منتقل کیا۔ عثمان وطناً مصری تھا۔ اس کے آباؤ اجداد مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ بالعموم "ورش" کے نام سے معروف ہے۔ عثمان کے تلامذہ کا

حلقہ بہت وسیع ہے۔ مغربی ممالک تک ان کی شہرت ہوئی اور ان کا طریقۂ قرأت اندلس تک پہنچا۔
کتاب اللہ کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے، اس لئے ضروری تھا کہ قرآن کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ احادیث کے راوی اور ان کے شارحین کی بھی جماعت کثیر موجود ہو چنانچہ صحابہ کرامؓ مصر آئے۔ انھوں نے یہاں حدیث کی روایت کی۔ مصر میں جن حضرات نے حدیث کی روایت کی ہے ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان سے ۱۰۰ احادیثِ صحیحہ مروی ہیں، روایت حدیث کے ساتھ عبداللہ بن عمرو قرأت اور کتابت میں بھی ممتاز تھے، یہ افسوس کی بات ہے کہ اس وقت تک عام اہل زمانہ ان دونوں میں کچھ زیادہ درک نہیں رکھتے تھے۔
یہ حقیقت ہے کہ علم حدیث میں مصر کے رواۃِ حدیث کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، ان میں اکثر وبیشتر وہ حضرات ہیں جو صحاح ستہ کے اصحاب کے نزدیک معتبر راوی مانے گئے ہیں ان میں اولیت کا مرتبہ عبداللہ بن وہب کو حاصل ہے جو "الجامع فی الحدیث" کے مصنف ہیں۔ عبداللہ بن وہب کی یہ کتاب عربی زبان کے بہت پرانے مخطوطات میں سے ہے جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کتاب کا حال ہی میں ادفو (۹) میں پتہ چلا ہے۔ عبداللہ بن وہب قریش کے مولیٰ تھے اور مصر میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے جن ائمہ حدیث سے روایات لی ہیں ان میں امام مالک بن انس اور عبداللہ بن لہیعہ المصری خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ محدثین کے علاوہ وہ علماء جو مصر میں حدیث کی روایت اور اس کے درس وتدریس کے ساتھ فقہ میں بھی کافی مہارت رکھتے اور اس کا درس دیتے تھے۔ ان میں لیث بن سعد زیادہ مشہور ہیں۔ یہ دراصل مصری نہیں تھے اور نہ عرب تھے، بلکہ فارسی الاصل تھے، لیکن چونکہ پیدا مصر میں ہوئے تھے اس لئے مصری کہلاتے ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ ان کا زمانہ ۹۳ھ اور ۱۷۵ھ کے درمیان ہے۔
مصر میں شروع شروع میں امام مالکؒ کے فقہ اور ان کے اسکول کا چرچا ہوا پھر اس کے

ساتھ فقہ امام شافعیؒ کا مدرسہ بھی قائم ہوگیا جس کے معلم خود امام شافعیؒ تھے، امام شافعیؒ کے تلامذہ کا حلقہ مصر میں بہت وسیع تھا۔ فقہ مالکی اور فقہ شافعی دونوں مدرسوں میں نزاع رہتا تھا جو بعض اوقات نازک صورت اختیار کر جاتا تھا۔ مصر اب تک مناظرہ سے آشنا نہیں تھا لیکن ان دونوں مدارس کی باہمی آویزش نے مصر کو اس سے بھی آشنا کر دیا۔ بات یہ تھی کہ چونکہ امام شافعیؒ عراق اور حجاز میں درس دے چکے تھے اور ان دونوں ملکوں میں مناظرہ کا دستور عام تھا۔ اور وہاں اسے اتنی اہمیت حاصل تھی کہ خلفاء بنی عباس خود ان مناظروں میں شریک ہوتے اور اس قسم کی مجلسوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ لیکن مصر کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ مشہور ہے کہ وہاں اخشید ایک مرتبہ صرف اتنی بات پر خفا ہو گیا تھا کہ بعض علماء اس کے روبرو کسی مسئلہ پر آپس میں لڑ پڑے تھے، چنانچہ جب یہ علماء واپس چلے گئے تو اخشید نے کہا "اچھا! میری مجلس میں ایسا ہوتا ہے؟ قریب تھا کہ میں ان عالموں کے عماموں کو چھین لینے کا حکم دے بیٹھوں"۔

فقہ مالکی اور فقہ شافعی مصر میں دونوں کے مدارس موجود تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہاں جتنا فروغ فقہ حنفی کو ہوا کسی کو نہیں ہوا۔ اگرچہ اہل مصر نے شروع شروع میں فقہ حنفی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور یہی وجہ ہے کہ ۱۶۴ھ میں اسماعیل الکندی مصر کے قاضی مقرر ہو کر آئے تو ان سے مصر میں بیزاری کا اظہار کیا گیا۔ کیونکہ یہ حنفی تھے۔ لیکن علماء احناف نے اپنی دعوت برابر جاری رکھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں قاضی بکار بن قتیبہ ایسے حنفی فقہ کے علماء پیدا ہوئے۔ بکار بن قتیبہ اس مرتبہ کے امام و عالم تھے کہ احمد بن طولون اور خلیفہ الموفق باللہ کے درمیان جو نزاع ہوا تھا اس میں ان کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ قید خانہ کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر بھی حدیث کا درس دیتے تھے اور ان کے شاگردوں کا وسیع حلقہ

ان کی تقریر قلمبند کرتا رہتا تھا۔

چونکہ قرآن وحدیث کا سمجھنا عربی لغت میں مہارت وبصیرت پر موقوف ہے اسلئے طبعی طور پر اہل مصر کو عربی لغت۔ اور اس زبان کے صرف ونحو اور ادب پر بھی توجہ ہوئی۔ چنانچہ مصر میں بڑے بڑے علمائ نحو پیدا ہوئے، مثلاً ولید بن محمد التمیمی، مشہور یہ ہے کہ یہ مصر میں پیدا ہوئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ ان کا نشوونما مصر میں ہوا ہے۔ ان کو علم عروض والقوافی کے موجد خلیل سے تلمذ تھا۔ نحاۃ مصر میں ولید کے علاوہ احمد بن جعفر الدینوری کا نام بھی کافی شہرت رکھتا ہے، ان کی کتاب "المہذب فی النحو" میں نحو کے علمائ بصرہ اور علمائ کوفہ دونوں کے اختلافی مسائل وآرا جمع ہیں اور اگرچہ کم دیکھا گیا ہے کہ علمائ نحو ادیب بھی ہوں لیکن احمد بن جعفر کا امتیاز یہ ہے کہ وہ نحو اور ادب دونوں میں درخور وافر رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ جو علمائ نحو مصر آئے ان میں ابوالعباس، محمد بن موسیٰ الواسطی، یموت بن المزرع اور مُہلّبی النحوی خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔

مصر میں تاریخ کا ذوق انبیاء کرامؑ کے قصص سے شروع ہوا۔ لیکن بعد میں جب یہاں اصحاب مغازی اور بعض مورخین آئے تو پھر مصر والوں میں عام تاریخ کا بھی ذوق پیدا ہوگیا، مشہور مورخ ابن جعفر طبری دو مرتبہ اور علامہ مسعودی صاحبِ مروج الذہب ایک مرتبہ مصر آئے ہیں۔

تاریخ مصر کے قابل قدر ذرائع میں ایک کتاب "فتوح مصر" بھی ہے جسکو ابن عبدالحکم المصری نے مورخینِ عراق کے اسلوب کے برعکس نہایت عمدہ تہذیب وترتیب کے ساتھ مدون ومرتب کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کتاب میں بھی بعض مضحکہ انگیز روایات موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ مصر کے جو پرانے آثار کھدائی کے بعد دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے بعض بعض پر عربی کے اشعار کندہ ملے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ مصر کے لوگوں کی تمام تر توجہات (فتوحاتِ اسلامی کے بعد سے) عربی اور شرعی علوم وفنون یا ان کے مناسب علوم مثلاً تاریخ وسیر پر مرکوز ہیں۔ اس بنا پر وہ علوم کونیہ کی

طرف متوجہ نہیں ہوسکے۔ اور مصر میں یونانی علوم وفنون کے تراجم کی وہ گرم بازاری نہیں ہوسکی جو عراق اور شام میں تھی۔

البتہ فن کتابت وانشار میں یہاں اچھے اچھے نامور پیدا ہوئے مثلاً حسن بن رافع، ابن عبدالغفار المصری، اور احمد بن امین۔ کتابت دو قسم کی ہوتی ہے ایک دفتری اور دوسری پرائیویٹ لیکن جیسا کہ علامہ مقریزی کا بیان ہے۔ خلفار کے عہد تک مصر دفتری انشا سے ناآشنا رہا۔ پھر جب ابن طولون کو مصر میں حاکمانہ اقتدار حاصل ہوا تو اس نے مشہور انشاپرداز ابن عبدکان کو دیوانی انشا کا صدر بنایا۔ اور اس طرح اس شعبہ کی طرح نوڈالی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مصر کا اسلوب کتابت ابتدا یونانی کلچر سے متاثر رہا۔ لیکن تدریجی طور پر جتنا جتنا زمانہ گذرتا گیا یہ اثر بھی کم ہوتا گیا۔ یہانتک کہ مصر کی کتابت وانشار کا اپنا ایک مستقل رنگ قائم ہوگیا۔

اخشیدیوں کے زمانہ میں جو فنِ کتابت کے ماہر پیدا ہوئے ان میں ابراہیم بن عبداللہ النجیری اور محمد بن کلا زیادہ لائق ذکر ہیں۔ کتابت کے ذکر کی مناسبت سے ہمیں شعروشاعری کا بھی ذکر کرنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ یہاں شعروشاعری کا وہ زور نہیں ہوسکا جو شام اور عراق میں ہوا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ بغداد میں خلفا کے دروازے ہمیشہ شاعروں کی قدرومنزلت کیلئے کھلے رہتے تھے، اور مصر میں علوم دینیہ وشرعیہ کی گرم بازاری کے باعث شعروشاعری کی طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوتے تھے۔ تاہم مصر میں بعض بعض گورنر ایسے بھی ہوئے ہیں جو حکومت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ شعر بھی کہتے تھے۔ مثلاً گورنر عقبہ بن عامر۔ اور اس کے علاوہ عبدالعزیز بن مروان جس زمانہ میں اُموی گورنمنٹ کی طرف سے مصر کا گورنر تھا۔ اس کا دروازہ شعرار کیلئے کھلا ہوا تھا۔ پھر جب یہ خود خلیفہ ہوگیا تو شعرار کی قدرومنزلت میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ جو شعرار اس کے دربار میں آئے ان میں مشہور شاعر نصیب اور کثیر عزّہ (عربی کا مشہور غزلگو شاعر)

اور عبداللہ بن قیس الرقیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عبدالعزیز بن مروان اور نصیب میں جو چھیڑ چھاڑ ہوتی تھی اس کے واقعات کثرت سے کتاب الاغانی میں مذکور ہیں۔

بنو امیہ کے دور حکومت کے ختم ہونے کے بعد بنو عباس کے زمانہ میں مصر طرح طرح کے فتن و حوادث کا آماجگاہ بن گیا۔ اس بنا پر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس عہد کے اشعار کی تاریخ ان واقعات و حوادث کے ذکر سے یکسر خالی ہوتی۔ ان فتن و حوادث کا بڑا سبب یہ تھا کہ عربوں اور مصر کے اصلی باشندوں میں قبائلی عصبیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس معرکہ میں شاعروں نے بھی حصہ لیا۔ مصر کے شاعر یحییٰ الخولانی کو اس حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔

دوسرے عربی بلاد کی طرح مصر کی شعر و شاعری میں بھی مدح، ہجو، مرثیہ وغیرہ سب کچھ موجود تھا۔ اور یہاں کے شاعروں میں بھی آپس میں ایسی ہی چلتی تھی جیسی کہ فرزدق اور جریر میں۔ اور اخطل اور بعیث میں۔ مصر کی شاعری میں بھی رندانہ مضامین پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی ایسی بہتات اور فراوانی نہیں جیسی کہ عراق کی شاعری میں ہے۔ بغداد کے دربار کا مشہور شاعر ابو نواس بھی مصر آیا اور اس نے یہاں کی زندگی میں بہت کافی حصہ لیا اور متعدد اشعار میں مصر کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ حمزۃ الاصفہانی کا بیان ہے۔ ان اشعار کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ ابو نواس کی طرح ابو تمام حبیب بن اوس الطائی بھی مصر آیا اور یہاں مدت تک قیام پذیر رہا۔ ان باہر سے آنیوالے شعراء کے بالمقابل خاص مصر کے ایسے شاعر بھی ہیں جو مصر سے کوچ کر کے عراق چلے گئے تھے مثلاً ابو الحسین محمد بن قاسم جو مانی الموسوس کے نام سے عام طور پر مشہور ہے۔ مصری شعراء کی فہرست میں سعید بن عُفیر جو ۱۴۶ھ میں مصر میں پیدا ہوا اور سیوطی کے بیان کے مطابق مصر کا قاضی بھی ہو گیا تھا۔ اور مُعلّی الطائی اور حسین بن عبدالسلام کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ موخر الذکر شاعر احمد بن طولون کا شاعر خاص اور اسکا شریک بزم تھا۔